حرف و سخن
HARF-O-SUKHAN
Urdu Research Journal of PAKISTAN
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

استواء علی العرش کے متعلق سنی وشیعہ مفسرین کے افکار کا تجزیاتی مطالعہ

A comparative Study of the opinions of Sunni and Shia commentators on Istawa Alial –Arsh.

1۔احتشام الحق
پی ایچ ڈی سکالر شعبہ قرآن و تفسیر AIOU اسلام آباد
2۔پروفیسر ڈاکٹر محی الدین ہاشمی
ڈین فیکلٹی آف عربی اینڈ اسلامک سٹڈی AIOU اسلام آباد

Abstract

Istawa Alial-Arsh is one of the verses of the Holy Qur'an which are called similar verses. Apparently, from the interpretation of these verses, it is suspected that Allah Ta'ala is present in some place. This is the reason why the cult of idolatry has normalized these signs on the apparent meaning. They believe that Allah sat on the throne in the same way that the king of the world sits on the throne.Whereas, according to Shia and Sunni commentators, the reason for considering the verses of Istawa Ali al-Arsh as similar verses is that Allah is free from dimensions, space and time, and this command is proven by several verses of the Holy Qur'an. That is why it is narrated from Imam Malik that he used to say that the condition of the Equator on the Throne cannot be known by reason. Belief in it is obligatory, but asking questions about it is innovation.

Key words: Istawa Alial-Arsh, theological debates, Islamic perspective

تمہید

عرش پر مستوی ہونے کا مسئلہ بھی علم الکلام کے مسائل میں سے ایک ہے۔اس کے متعلق قدیم زمانہ کے معتزلہ، مجسمہ، اہل سنت اور اہل تشیع کے ہاں زیر بحث رہاہے۔استواء علی العرش اللہ تعالیٰ کی وہ صفت ہے، جسے اہل اسلام اس طرح قبول کرتے ہیں، جس طرح وہ اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہو۔اللہ تعالیٰ کی ذات کے متعلق یہ مسئلہ ثابت شدہ ہے کہ اس کی ذات انسانوں کی ذات سے اور اس کی صفات انسانوں کی صفات سے کچھ مشابہت نہیں رکھتا۔وہ علیم و خبیر ذات ہے۔وہ بغیر آنکھ کے دیکھتا ہے۔بغیر کان کے سنتا ہے اور بدوں زبان کلام کرتا ہے۔ہماری طرح ان اعضاو جوارح کا محتاج نہیں۔اللہ تعالیٰ کی صفات کو اسی طرح تسلیم کیا جائے، جس طرح بیان ہوئی ہیں۔نہ ان کی کیفیت بیان کی جائے۔نہ ان میں تاویل کی جائے اور نہ انھیں مخلوق کے ساتھ تشبیہ دی جائے۔

استواء علی العرش قرآن مجید کی ان آیات میں سے ہے، جنہیں آیات متشابہات کہا جاتا ہے۔بظاہر ان کی تعبیر سے یہ وہم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی مقام یا جہت میں ہے۔فرقہ مجسمہ، مشبہہ، کرامیہ وغیرہ نے ان آیات کو حسی اور ظاہری معنیٰ پر محمول کیا ہے۔ان کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ تخت پر اس طرح بیٹھ گیا، جس طرح دنیا کا بادشاہ تخت پر بیٹھ جاتا ہے۔استواء علی العرش کی آیات کو متشابہات میں شمار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا جہت، مکان و زمان وغیرہ سے پاک ہونا خود قرآن مجید کی آیات سے ثابت ہے۔فرمان خداوندی ہے:

وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَأَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ[1]

[1] ۔سورۃ محمد 47:38

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

اللہ تعالیٰ ہر طرح بے نیاز ہے اور تم ہر طرح حاجت مند ہو۔ جس طرح وہ بغیر آنکھ کے سمیع اور بصیر ہے۔ اسی طرح وہ بغیر کسی جہت کے مستوی علی العرش ہے۔ اس استویٰ کا تذکرہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے کرتے ہوئے فرمایا:

الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى [2]

اگر بغیر آنکھ کے دیکھنا ممکن ہے، بغیر کان کے سمیع اور بصیر ہونا ممکن ہو تو بغیر جہت کے استویٰ علی العرش ہونا بھی ممکن ہے۔ جس طرح اس کے علم، سمع وبصارت کی کیفیت احاطہ عقل سے باہر ہے۔ اسی طرح استویٰ علی العرش کی ہیئت بھی انسان کے احاطہ ادراک سے خارج ہے۔ چنانچہ امام مالک سے جب استویٰ علی العرش کی کیفیت پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا:

الكيف غير معقول , والاستواء منه غير مجهول , والإيمان به واجب , والسؤال عنه بدعة[3]

"اس کی کیفیت عقل میں نہیں آسکتی۔ استویٰ مجہول ہے اور اس پر ایمان واجب ہے اور اس کے متعلق سوال کرنا بدعت ہے"۔

استواء کا معنی استیلاء کے ہیں۔ خود استیلاء سے مراد اقتدار واختیار ہے۔ جو شبہات عام طور پر اس آیت پر وارد ہوتے ہیں۔ اس مفہوم کے لینے سے سب کا خاتمہ ہوتا ہے۔... فعل استوا کا صلہ جب علی کے ساتھ آتا ہے تو معنی غلبہ کے ہوتے ہیں۔ بعض فرقوں نے لفظی معنی پر بہت زور دیا ہے۔ انھوں نے کہا یہ صاف کہہ دیا کہ استواء الٰہی کی کیفیت مخلوق کے استواء سے بالکل مختلف ہے [4]۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ استویٰ علی العرش ایک ایسی کیفیت ہے، جس کے متعلق انسانی عقل ادراک نہیں کر سکتی۔ اللہ تعالیٰ کے سمیع بصیر پر بلا تشبیہ کے ایمان لانا بلا تمہید واجب ہے، اس قسم کا سوال بدعت ہے۔ کیونکہ ادیان سماویہ اور ملل الٰہیہ اور خیر القرآن میں کبھی اس قسم کا سوال پیدا نہیں ہوا۔ کیونکہ وہ اس کے متعلق سب جانتے تھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی صفات کمالیہ ہیں۔ ان کا اثبات اللہ کی ذات سے ہے، لیکن ہماری طرح نہیں، جس طرح ہمارے لیے یہ صفات ثابت ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی طرف کائنات کو مختلف طبقات پر بنایا گیا۔ اولاً زمین اور پانی کا طبقہ ہے۔ پھر کرہ ہوا اور کرہ نار ہے۔ اس کے بعد سبع سموات اور اس پر کرسی جلال اور کرسی جلال پر عرش عظیم کو بنایا گیا ہے۔ اس کے بعد کسی بھی مخلوق کا وجود ثابت نہیں ہے۔ کائنات عالم کی کوئی چیز عرش کے دائرہ سے باہر نہیں ہے۔ سبع سموات، سبع ارضین کو عرش عظیم محیط ہے۔ اس کے بعد کسی مخلوق کا اس سے باہر ہونا کسی عقلی اور نقلی دلیل سے ثابت نہیں۔ الغرض مخلوقات کا سلسلہ عرش عظیم پر ختم ہو جاتا ہے۔ اب استویٰ علی العرش کا معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق وتکوین کا سلسلہ عرش عظیم پر ختم ہو گیا۔ کوئی بھی مخلوق دائرہ عرش سے باہر نہیں ہے۔ قرآن مجید میں استویٰ کا لفظ اسی معنی میں بکثرت استعمال ہوا ہے۔ فرمان خداوندی ہے:

وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَاسْتَوَى آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا وَكَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ [5]

دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَى عَلَى سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا [6]

---

[2] ۔ طہ 5: 20

[3] ۔ الراجحي، عبد العزيز بن عبد الله بن عبد الرحمن ، قدوم كتائب الجهاد ، المصدر : الشاملة الذهبية، ص 42

[4] ۔ دریاآبادی، عبدالماجد، مولانا، تفسیر ماجدی، ج 3، ص 223

[5] ۔ سورۃ القصص 28: 14

[6] ۔ سورۃ الفتح 48: 29

حرف و سخن
HARF-O-SUKHAN
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

جب وہ جوانی کو پہنچ گیااور جوانی ختم ہو گئی ، جیسے کھیتی نے سوئی کو نکالا۔ پھر اس کو مضبوط کیا، پس موٹا ہوا۔ پھر کھیتی مکمل ہو گئی۔ استویٰ کے اصل معنی مساوات کے ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قُلْ لَا يَسْتَوِي الْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ﴾[7]

لیکن جب کوئی چیز اپنے کمال کو پہنچ جاتی ہے ، تو عرب کے محاورے میں اس کے لیے استویٰ کا لفظ مستعمل ہوتا ہے۔ جیسے استواء الشّمس اور استواء المیزان اسی سے ماخوذ ہے۔فرمان خداوندی ہے :

﴿فَإِذَا اسْتَوَيْتَ أَنْتَ وَمَنْ مَعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي نَجَّانَا مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ﴾[8]

جیسے دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُودِيِّ﴾[9]

اور کشتی جودی پر ٹھہر گئی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں استویٰ علی العرش کو چھ جگہ ذکر کیااور ہر جگہ اس سے قبل سبع سموات اور سبع ارضین کی تخلیق کا تذکرہ کیا۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آیات کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین وزمان ، کون ومکان کو پیدا کیا۔ پھر تخلیق کو عرش عظیم کی تخلیق پر ختم کیا۔فرمان خداوندی ہے :

﴿إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَثِيثًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومَ مُسَخَّرَاتٍ بِأَمْرِهِ أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ تَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ﴾[10]

سورۃ یونس میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ مَا مِنْ شَفِيعٍ إِلَّا مِنْ بَعْدِ إِذْنِهِ ذَلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ﴾[11]

سورۃ الرعد میں ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿اللَّهُ الَّذِي رَفَعَ السَّمَاوَاتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَجْرِي لِأَجَلٍ مُسَمًّى يُدَبِّرُ الْأَمْرَ يُفَصِّلُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَاءِ رَبِّكُمْ تُوقِنُونَ﴾[12]

سورۃ الفرقان میں فرمان خداوندی ہے :

﴿الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ الرَّحْمَنُ فَاسْأَلْ بِهِ خَبِيرًا﴾[13]

سورۃ السجدہ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ مَا لَكُمْ مِنْ دُونِهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا شَفِيعٍ أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ[14]

---

[7] ۔سورۃ المائدہ 5: 100
[8] ۔سورۃ المومنون 23: 28
[9] ۔سورۃ ھود 11: 44
[10] ۔سورۃ الاعراف 7: 54
[11] ۔سورۃ یونس 10: 3
[12] ۔سورۃ الرعد 13: 2
[13] ۔سورۃ الفرقان 25: 59
[14] ۔سورۃ السجدہ 32: 4

حرف و سخن
HARF-O-SUKHAN
Urdu Research Journal of PAKISTAN
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْأَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيهَا وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ﴾[15]

ساری بحث کا لب لباب یہ ہے کہ سبع سموات اور سبع ارضین کے بعد خصوصیت کے ساتھ استویٰ علی العرش کو ذکر کرنا صاف دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق اور تکوین کا سلسلہ عرش پر ختم ہوگیا۔ قرآن مجید میں اس مضمون کی آیات دو طرح کی ہیں:

1. وہ آیات جن میں صرف عرش کا ذکر ہے۔
2. وہ آیات جن میں استواء علی العرش کا ذکر ہے۔

اہل سنت کا متفق علیہ اور اجتماعی عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ زمان ومکان کی حدود اور سمت وجہت کی قیودات سے منزہ اور پاک ہے۔

علامہ نسفی اسی عقیدے کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ولا محدود ولا معدود، ولا يوصف بالماهية ولا بالكيفية، ولا يتمكن فى مكان إذا لم يكن فى مكان لم يكن فى جهة، لاعلو ولاسفل ولا غيرهما ولا يجرى عليه زمان[16]

استواء کی تفسیر میں مفسرین کرام کا مشہور قول یہ ہے کہ اس سے مراد بلندی اور رفعت ہے۔ جیسے امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں روایت نقل کی:

قالَ أبو العالية: {اسْتَوَى إِلَى السَّمَاءِ}: ارْتَفَعَ. وقالَ مُجاهِدٌ: {اسْتوى}: عَلا على العَرْشِ.[17]

ابو العالیہؒ کہتے ہیں: "استویٰ إلی السماء" یعنی بلند ہوا، جبکہ مجاہد کہتے ہیں: استوی کا معنی ہے عرش پر بلند ہوا"

چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں:

أَنَّ أَصْلَ الِاسْتِوَاءِ عَلَى الْعَرْشِ: ثَابِتٌ بِالْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَاتِّفَاقِ سَلَفِ الْأُمَّةِ وَأَئِمَّةِ السُّنَّةِ بَلْ هُوَ ثَابِتٌ فِي كُلِّ كِتَابٍ أُنْزِلَ عَلَى كُلِّ نَبِيٍّ أُرْسِلَ فَكَيْفَ بِمَنْ يَقُولُ إنَّهُ مُفْتَقِرٌ إلَى السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَأَنَّهُ إذَا ارْتَفَعَتْ السَّمَوَاتُ وَالْأَرْضُ: تَفَرَّقَ وَانْتَشَرَ وَعَدِمَ؟ فَأَيْنَ حَاجَتُهُ فِي الْحَمْلِ إلَى الْعَرْشِ مِنْ حَاجَةِ ذَاتِهِ إلَى مَا هُوَ دُونَ الْعَرْشِ؟[18]

"جب یہ بات واضح ہوگئی کہ فرشتوں اور انسانوں کی روحوں کی جو صفات نقل وحرکت اور اوپر نیچے سے تعلق رکھتی ہیں یہ آپس میں انسانی جسم کی حرکت کے مشابہ نہیں ہے، اسی طرح آنکھ سے دیکھی جانے والی دیگر دنیاوی چیزوں کی حرکتیں بھی آپس میں نہیں ملتی، نیز روحوں وغیرہ میں وہ کچھ ممکن ہو سکتا ہے جو انسانی جسم میں ممکن نہیں ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ کی صفات کو مخلوق کی صفات کی مشابہت سے دور ماننا زیادہ ضروری ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی صفت نزول ایسے نہیں ہے جیسے مخلوق کے اجسام کی ہوتی ہیں۔ اسی طرح میت کا قبر میں بیٹھنا ایسے نہیں ہوگا جیسے جسم بیٹھتا ہے، چنانچہ بعض آثار میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جو لفظ قعود اور جلوس اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہوتے ہوئے نظر آتے ہیں جیسے کہ سیدنا جعفر بن ابو طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اسی طرح عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور دیگر روایات میں منقول ہے، اس میں موجود قعود اور جلوس کی صفت اور کیفیت بالاولی ایسی نہیں ہوگی جو بندوں کے جسموں سے مشابہت رکھتی ہو"[19]۔

---

[15] ۔ سورۃ الحدید 57:4

[16] ۔ تفتازانی، سعدالدین، العقائد النسفية، (ناشر: دار الكتب العلميه بيروت، طبع 2017ء) ص: 43،

[17] ۔ البانی، أبو عبد الرحمن محمد ناصر الدين (المتوفى: 1420ھ) مختصر صحيح بخاری، الناشر: مكتَبة المَعارف للنَّشْر والتوزيع، الرياض، 2002م، ج 4، ص 338

[18] ۔ الحراني، تقي الدين، أحمد بن عبد الحليم بن تيمية، (المتوفى: 728ھ) مجموع الفتاوى، الناشر: مجمع الملك فهد مدينه، طبع 1416ه، ج 2، ص 188

[19] ۔ الحراني، تقي الدين أبو العباس أحمد بن عبد الحليم بن تيمية، مجموع الفتاوى، (المتوفى: 728ھ) ج 5، ص 527

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی بات سے یہی عقیدہ واضح ہوتا ہے کہ استواء سے قعود کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ اس طرح کی تمام کیفیات سے مبرا اور منزہ ہے۔ پس ایسی مباحث پر گفت و شنید سے اجتناب بہتر ہے۔ اس مسئلے میں اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ ہم اس پر ایمان لاتے ہیں البتہ اس کی کیفیت کے متعلق بحث نہیں کرتے۔ یہی سلف صالحین کا عقیدہ تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات نقص اور حدوث سے پاک ہے ۔ علمائے متقدمین کی رائے بھی یہی ہے اور متاخرین نے جہاں اس مسئلے کو سمجھانے کے لیے جو جائز تاویلات فرمائی ہیں وہ صرف عامۃ الناس کی آسانی کے لیے ہیں۔ مثلاً "استواء" سے مراد "غلبہ" اور "ید" سے مراد "قدرت" لیا گیا ہے۔، تو ایسی تاویلات بھی ہمارے نزدیک صحیح ہیں۔ البتہ ہم اللہ تعالیٰ کے لیے جہت و مکان کو ثابت کرنا جائز نہیں سمجھتے بلکہ ہمارا نظریہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جہت و مکان اور جملہ علامات حدوث سے پاک ہے۔ شیعہ مفسر آیت اللہ العظمیٰ مکارم شیرازی نے استویٰ علی العرش پر بھی بحث کی ہے اور عرش کے تین مشہور معنی بیان کیے ہیں۔ مصنف لکھتے ہیں :

1. "عرش" کے معنی وہی مقام "حکومت، مالکیت اور عالم ہستی کی تدبیر ہے"، کیونکہ کنایۃً اس سے حاکم کے اپنی رعایا پر مسلط ہونے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔
2. "عرش" کا ایک معنی "عالم ہستی کا مجموعہ" ہے، کیونکہ دنیا کی تمام چیزیں اس کی عظمت و بزرگی کی نشانی ہیں، اور کبھی "عرش" سے "آسمان" اور "کرسی" سے "زمین" کو مراد لیا جاتا ہے۔
3. "عرش" سے "عالم ماوراء طبیعت" اور کرسی سے عالم مادہ (چاہے وہ زمین ہو یا آسمان) مراد لیا جاتا ہے۔

اگر پاک اور مومن بندوں کے دلوں کو "عرش الرحمٰن" کہا گیا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ مومنین کے قلوب خداوند عالم کی ذات پاک کی معرفت کی جگہ اور اس کی عظمت اور قدرت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ لہٰذا لفظ "عرش" کو قرائن سے سمجھا جا سکتا ہے کہ اس جگہ "عرش" سے کون سے معنی مراد ہیں، لیکن یہ تمام معانی اس حقیقت کو بیان کرتے ہیں کہ "عرش" خدا کی عظمت و بزرگی کی نشانی ہے[20]۔

استواء علی العرش کے متعلق مولانا ادریس کاندھلوی کا نقطہ نظر

مولانا کاندھلویؒ نے تفسیر معارف القرآن میں بڑی عالمانہ بحث کی ہے اور قرآن مجید کی آیات کو یکجا کرتے ہوئے محاکمہ فرمایا ہے۔ انھوں نے اہل سنت اور مجسمہ یا ظاہریہ کا موقف بھی بیان کیا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں :

> "یہود کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ اسمان و زمین پیدا کرنے کے بعد تھک گیا اور درماندگی کی وجہ سے عرش پر لیٹ گیا۔ تمام اہل اسلام کا اجتماعی عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے نہ کوئی حد اور نہ کوئی انتہاء۔ نہ اس کے لیے مکان، سمت اور جہت۔ اس کی ہستی سمت، جہت، زمان و مکان کے قیود و حدود سے پاک اور منزہ ہے۔ اس کی ہستی کسی زبان، مکان پر موقوف نہیں بلکہ زمان و مکان کی ہستی اس کی ایجاد اور تکوین پر موقوف ہے۔ کیونکہ جب زمان اور مکان نہ تھا، تب بھی وہ تھا۔ "[21]

استواء علی العرش سے مراد عرش پر بیٹھنا اور متمکن نہیں بلکہ کائنات عالم کی تدبیر اور تصرف کی طرف متوجہ ہونا مراد ہے۔ یہ جملہ قرآن مجید میں سات مقامات پر آیا ہے۔ سب سے اس کی شان، شہنشاہی اور تصرف و تدبیر کو بیان کرنا مقصود ہے کہ وہ سارے عالم کا خالق ہے۔ وہی سارے عالم کا خالق اور کائنات کا مدبر و متصرف ہے۔ دوسرے مقام پر لکھتے ہیں :

---

[20]_https://www.makarem.ir/main.aspx?reader=1&lid=4&mid=60039&catid=6478&pid=62027

[21]_ کاندھلوی، مولانا محمد ادریس، معارف القرآن، ج 3، ص 128

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

اللہ تعالیٰ زمین وآسمان، عرش وکرسی کے پیدا کرنے سے پہلے جس صفت اور شان پر تھا۔ اب بھی اسی پر ہے ۔ معاذ اللہ عرش عظیم اللہ تعالیٰ کا حامل نہیں کہ انھیں اٹھائے یا تھامے ہو۔ بلکہ اللہ کی قدرت عرش کو اٹھائے ہوئے ہے۔ وہ زرہ برابر کسی عرش اور فرش کا محتاج نہیں۔ بلکہ سب اس کے محتاج ہیں۔ استوا علی العرش سے مراد عرش پر بیٹھنا اور متمکن ہونا مراد نہیں بلکہ کائنات عالم کی تدبیر اور تصرف کی طرف متوجہ ہونا مراد ہے ۔ استواء علی العرش کا لفظ سات جگہ آیا ہے۔ سورۃ اعراف، سورہ یونس، سورہ الرعد، سورۃ طہ، سورہ الفرقان، سورۃ السجدہ، سورۃ الحدید میں ہے۔ سب جگہ اس کی شان، شہنشاہی اور تصرف وتدبیر کو بیان کرنا مقصود ہے۔ وہی سارے عالم کا خالق ہے۔ وہی کائنات کا مدبر اور متصرف ہے۔ یہی فی الحقیقت تمہارا رب ہے، جس کا حکم آسمان وزمین میں جاری ہوتا ہے[22]۔

واضح رہے کہ مولانا کاندھلویؒ کے ہاں استواء کا کوئی ایک معنیٰ نہیں، بلکہ اس کے متعدد معانی ہیں جو حسب زیل ہیں: قصد اور ارادہ ۔ قہر اور غلبہ ۔ اہتمام اور اعتدال ۔ استیلا اور تسلط وغیرہ۔ ان معانی میں جو معنیٰ زیادہ راجح ہے، وہ قرآنی مقصود سے تخلیق کائنات سے مطابقت رکھتا ہے۔ کائنات کی تدبیر اور تصرف کی جانب اللہ تعالیٰ کا متوجہ ہونا ہے[23]۔

استواء علی العرش میں اختلاف کا سبب

واضح رہے کہ استواء علی العرش قرآن مجید کی ان آیات میں سے ہے، جنہیں آیات متشابہات کہا جاتا ہے۔ بظاہر ان کی تعبیر سے یہ وہم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی مقام یا جہت میں ہے۔ فرقہ مجسمہ، مشبہہ، کرامیہ وغیرہ نے ان آیات کو حسی اور ظاہری معنیٰ پر محمول کیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ تخت پر اس طرح بیٹھ گیا، جس طرح دنیا کا بادشاہ تخت پر بیٹھ جاتا ہے ۔ استواء علی العرش کی آیات کو متشابھات میں شمار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا جہت، مکان وزمان وغیرہ سے پاک ہونا خود قرآن مجید کی آیات سے ثابت ہے۔ فرمان خداوندی ہے :

﴿وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ﴾[24]

دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ اپنی زمان ومکان سے پاکی کو یوں بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے :

﴿وَلِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللَّهِ﴾[25]

مذکورہ بالا آیات کو اگر ظاہری معنیٰ پر محمول کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات زمین وآسمان میں موجود ہے، تو یہ آیات استوی علی العرش کی آیات کے معارض پڑیں گی۔ اس لیے کہ جب خدا ہر جگہ موجود ہے، تو عرش کی خصوصیت باطل ہو جاے گی۔ نیز حدیث میں ہے :

يَنزلُ اللهُ في كُلِّ لَيلةٍ إلى سمَاءِ الدُّنيا فيقولُ : هَل مِنْ سَائلٍ فَأُعطيهُ ؟ هَلْ مَن مُستغفرٍ فَأَغفِرَ لهُ ؟ هَل مِن تَائِبٍ فَأَتوبَ عَليهِ حتَّى يَطلُعَ الفَجرُ[26]

خدا ہر رات آسمان دنیا پر اترتا ہے اور کہتا ہے، ہے کوئی مانگنے والا کہ میں اسے عطا کروں؟ کیا مستغفی اسے معاف کر دے گا؟ ہے کوئی توبہ کرنے والا تو میں اس سے توبہ کرتا ہوں یہاں تک کہ فجر ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ ہر رات آسمان دنیا کی طرف اترتا ہے۔ اگر حدیث کو ظاہر پر محمول کیا جائے تو لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ کبھی عرش پر بیٹھتا ہے اور کبھی نیچے اترتا ہے۔ جبکہ سب کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نقل وحرکت سے پاک اور منزہ ہے۔ مولانا کاندھلویؒ اس کے متعلق لکھتے ہیں :

---

22 ۔ کاندھلوی، مولانا محمد ادریس، معارف القرآن، ج 3، ص 131

23 ۔ ایضاً، ج 3، ص 55

24 ۔ سورۃ الحدید 57: 4

25 ۔ سورۃ البقرۃ 2: 115

26 ۔ علي بن نايف الشحود، موسوعة السنة النبوية، المصدر: الشاملة الذ هبية، رقم الحديث 5563

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

"اس قسم کی آیات متشابھات جن میں تشبیہ اور تمثیل کا شبہ ہو، اس میں سلف اور خلف کے نزدیک باالاجماع ان سے ظاہری اور حسی معنیٰ مراد نہیں لیے جائیں گے۔ کلام کو ظاہری معنیٰ سے ہٹانا اور پھیرنا اس کا نام تاویل ہے۔ یہ تمام آیات اور احادیث دلالت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ جہت اور مکان سے پاک ہے اور یہ تمام نصوص صریحہ اور قطعیہ ہیں اور ان میں تاویل کی زرہ بھر گنجائش نہیں۔ جبکہ آیات متشابھات جن سے تاویل اور جہت کا شبہ ہے، وہ ظنی الدلالت ہیں، لہٰذا ان میں تاویل کی جائے گی تاکہ قطعیات، محکمات اور مسلمات کے خلاف نہ رہے۔"[27]

اہل حق کی رائے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش اور تخت سے پاک اور منزہ ہے۔ وہ کسی عرش اور تخت پر متمکن نہیں۔ کسی بادشاہ کو یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ تخت پر بیٹھا ہوا ہے، مگر اللہ تعالیٰ کو ایسا کہنا ہر گز جائز نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کسی جسم اور محل پر متمکن اور مستقر ہو، تو اس کا مقداری ہونا لازم آئے گا۔ کیونکہ جو چیز کسی جسم پر متمکن ہوتی ہے، یا اس سے چھوٹی ہوتی ہے، یا بڑی، یا برابر۔ کمی بیشی اور مساوات کے ساتھ وہی چیز ہو سکتی ہے، جو مقداری ہو۔ اللہ تعالیٰ کمیت اور کیفیت و مقدار سے پاک ہے[28]۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَهُوَ ٱللَّهُ فِي ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَفِي ٱلۡأَرۡضِ﴾ [29]

سورۃ حدید میں ارشاد ہے:

﴿وَهُوَ مَعَكُمۡ أَيۡنَ مَا كُنتُمۡۚ﴾ [30]

ان آیات کو اگر ظاہری معنیٰ پر محمول کیا جاے تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہر جگہ موجود ہے، تو یہ آیات استویٰ کے معارض ہوں گی۔ اسلیے کہ جب خدا آسمان پر، عرش پر موجود ہے، تو ہر جگہ نہیں، اور اگر ہر جگہ ہے، تو عرش پر نہیں۔ حدیث میں ہے:

يَنْزِلُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا فَيَقُولُ: لَا أَسْأَلُ عَنْ عِبَادِي غَيْرِي، مَنْ ذَا الَّذِي يَسْأَلُنِي أُعْطِيهِ؟ مَنْ ذَا الَّذِي يَدْعُونِي أَسْتَجِيبُ لَهُ؟ مَنْ ذَا الَّذِي يَسْتَغْفِرُنِي أَغْفِرُ لَهُ؟ حَتَّى يَنْصَدِعَ الْفَجْرُ[31]

اگر اس روایت کو اگر ظاہر پر معمول کیا جائے تو لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ کبھی عرش پر بیٹھتا ہے اور کبھی نیچے اترتا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نقل و حرکت سے منزہ ہے۔ بے شمار آیات قرآنیہ اور احادیث سے تنزیہ اور تقدیس ثابت ہے۔ تمام انبیائے کرام اور مرسلین امت کو ایمان تنزیہ کی ہی دعوت دیتے چلے گئے۔ ایمان تشبیہ اور تمثیلی اور اسلام تجسمی و مقداری کی دعوت کسی نبی نے نہیں دی اور اسی پر سلف و خلف کا اجماع ہے۔ اللہ تعالیٰ کا جہت سے منزہ ہونا دلائل عقلیہ اور نقلیہ سے ثابت ہے۔ وہ مکان کو پیدا کرنے سے پہلے بغیر مکان کے تھا، بعد میں اس نے قدرت سے مکان اور جہت کو پیدا کیا۔ پس جس صفت پر وہ پہلے تھا، پیدا کرنے کے بعد بھی اسی صفت اور شان پر ہے[32]۔

اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے، جس نے زمین و آسمان کو چھ دن میں پیدا کیا، تب اس کا عرش پانی پر تھا۔ اھل سنت کا عقیدہ اس حوالے سے یہ ہے کہ خالق عرش پر مستوی ہے۔ ان کے ہاں کلام الٰہی میں تبدیلی نہیں کی جاتی۔ جیسا کہ جھمیہ اور مرجیۂ نے کہا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مسلط اور غالب ہوا ہے۔ مستوی نہیں۔ اسی طرح تو یہودیوں نے کیا تھا جب ان سے کہا گیا:

---

[27] ۔ کاندھلوی، مولانا محمد ادریس، معارف القرآن، ج 3، ص 130

[28] ۔ ایضاً، ج 3، ص 131

[29] ۔ سورۃ الانعام 6:3

[30] ۔ سورۃ الحدید 57:4

[31] . الطبراني، سليمان بن أحمد (ت ه) المعجم الكبير، ، دار النشر: مكتبة ابن تيمية – القاهرة، طبع 1415ھ، ج 5، ص 49

[32] ۔ کاندھلوی، مولانا محمد ادریس، معارف القرآن، ج 3، ص 132

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

﴿وَإِذۡ قُلۡنَا ٱدۡخُلُواْ هَٰذِهِ ٱلۡقَرۡيَةَ فَكُلُواْ مِنۡهَا حَيۡثُ شِئۡتُمۡ رَغَدٗا وَٱدۡخُلُواْ ٱلۡبَابَ سُجَّدٗا وَقُولُواْ حِطَّةٞ نَّغۡفِرۡ لَكُمۡ خَطَٰيَٰكُمۡۚ
وَسَنَزِيدُ ٱلۡمُحۡسِنِينَ﴾ [33]

ابن قیم نے فرمایا: کلام عرب جس میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں مخاطب کیا ہے، اس میں لفظ استواء کی دو قسمیں ہیں۔ مطلق اور مقید۔ استواء کے یہ معنیٰ کلام عرب سے منقول ہیں۔ عرش پر یہ استواء ذات کے اعتبار سے ہے۔ اللہ کا عرش پر ہونا کیفیت بیان کیے بغیر انبیاء پر نازل ہونے والی ہر کتاب میں مذکور ہے [34]۔

ابن عبدالبر نے لکھتے ہیں کہ اس شخص کا اعتراض جس نے رویت کے ذریعے اعتراض کیا کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ تفسیر میں فرماتے ہیں کہ وہ اپنی تمام مخلوق سے اوپر ہے۔ اس سے کوئی جگہ خالی نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ منکر روایت ہے۔ اس کے راوی مجہول اور ضعیف ہیں۔ عبداللہ بن داود اور عبدالوہاب بن مجاہد ضعیف ہیں۔ جبکہ ابراہیم بن عبدالصمد مجہول ہے۔ یہ لوگ عادل راویوں کی خبر واحد کو قبول نہیں کرتے۔ عقل اور انصاف سے کام لیں اور سوچیں تو ان سے رویت حجت لینا کیسے درست ہوگا۔

استواء علی العرش کے متعلق مولانا عبدالماجد دریاآبادی کا موقف

مولانا عبدالماجد دریاآبادیؒ نے استواء علی العرش پر نہایت مختصر مگر جامع بحث کی ہے۔انھوں نے اس مسئلہ پر اکابرین امت اور مفسرین کے اقوال پیش کیے ہیں۔امام رازی کی رائے کو پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

الِاسْتِوَاءَ عَلَى الْعَرْشِ وَالْمُرَادُ نَفَاذُ الْقُدْرَةِ وَجَرَيَانُ الْمَشِيئَةِ[35]

مولانا دریاآبادی لکھتے ہیں :

"پہلا مرتبہ خلق کائنات کا تھا۔اب اس کے بعد حکومت اور تدبیر کے احکام جاری کرنا شروع کیے۔ عرش کے لفظی معنی تخت کے ہیں اور العرش مراد تخت حکومت ہوتا ہے، جو ہر قسم کے مادی تعینات سے ماوراء ہے۔"[36]

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ اللہ کے بارے میں عرش کا لفظ استعمال ہوا ہے، اس کا صحیح ادراک کرنا ناممکن بات ہے۔قرآن مجید میں جو استواء علی العرش کا ذکر آیا ہے، اس کے متعلق بعض لادین ملحدین کی طرف سے بڑے اعتراجات اٹھائے گئے ہیں۔ شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے استواء کے متعلق لکھا:

صفات کے متعلق وارد شدہ الفاظ کو ظاہر پر محمول کیا جائے۔ اس پر بحث سے گریز کیا جائے۔

أَقُول لَا فرق بَين السّمع وَالْبَصَر وَالْقُدْرَة والضحك وَالْكَلَام والاستواء فَإِن الْمَفْهُوم عِنْد أهل اللِّسَان من كل ذَلِك غير مَا يَلِيق بجناب الْقُدس[37]

میں کہتا ہوں کہ صفات باری میں سننے، دیکھنے، قوت، ہنسی، گویائی اور استغفار میں کوئی فرق نہیں ہے، کیونکہ ان سب سے اہل زبان کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے لیے شایان شان نہیں ہے۔ اب جبکہ سمع اور بصر میں تاویل نہیں کی جاسکتی تو استواء میں کیسے کی جائے گی ؟ گویا شاہ ولی اللہؒ کے ہاں استواء کا وہی مفہوم تھا جو امام مالک کی طرف منسوب ہے۔ علامہ دریاآبادیؒ اس کے متعلق لکھتے ہیں:

"استواء علی العرش یعنی پہلا مرتبہ خلق کائنات کا تھا۔ اس کے بعد اس نے حکومت وتدبیر کے احکام جاری کرنے تھے۔ عرش کے لفظی معنیٰ تخت کے ہیں۔ اور العرش سے مراد تخت حکومت الٰہی ہوتا ہے۔ جو ہر قسم کے مادی تعینات سے

---

[33]. سورۃ البقرۃ 2: 58

[34]۔ جیلانی، شیخ عبدالقادر، غنیۃ الطالبین، مترجم : محمد صدیق ہزاروی، ناشر : حامد اینڈ کمپنی لاہور، طبع 1988، ج 1، ص 54

[35]۔ الرازي، أبو عبد الله محمد بن عمر (المتوفى: 606ھ) مفاتيح الغيب، الناشر : دار إحياء التراث العربي – بيروت، طبع 1420 ھ، ج 14، ص 279

[36]۔ دریاآبادی، تفسیر ماجدی، ج 3، ص 224

[37]۔ الدهلوى، أحمد بن عبد الرحيم (المتوفى: 1176ھ) حجة الله البالغه، الناشر : دار الجيل، بيروت، طبع 1426 ھ 2005م، ج 1، ص 124

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

ماورا ہے۔ محققین نے کہاہے کہ عرش الہی کی ماہیت اور حقیقت کا علم انسان کو نہیں۔ یہ معنی تو اس کے نہیں ہو سکتے جن کو عوام نے سمجھ رکھا ہے، کہ اللہ تعالیٰ کسی تخت پر متمکن ہو"[38]۔

استواء علی العرش کے متعلق نعیم بن حماد سے نقل کرتے ہوئے شیخ ابن عثیمین لکھتے ہیں:

وقال نعيم بن حماد شيخ البخاري: من شبه الله بخلقه كفر، ومن جحد ما وصف الله به نفسه .. فقد كفر، وليس فيما وصف الله به نفسه ولا رسوله تشبيه، فمن أثبت ما وردت به الآثار الصريحة والأخبار الصحيحية على الوجه الذي يليق بجلال الله، ونفى عن الله النقائص ... فقد سلك سبيل الهدى. انتہی[39]

دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

"استواء کے معنیٰ استیلا کے ہیں۔ استیلا سے مراد اقتدار اور اختیار ہے۔ جو شبہات عوام پر عام طور پر وارد ہوتے ہیں۔ اس مفہوم کے لینے سے سب کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ فعل استویٰ کا صلہ جب علی کے ساتھ آتا ہے تو معنی ہی استیلا اور غلبے کے ہوتے ہیں۔ یہ معنی امام راغب نے بیان کیے ہیں۔ بعض فرقوں نے لفظی معنی پر بہت زور دیا ہے۔ انھوں نے کہاہے کہ استوائے الہی کی کیفیت مخلوق کے استواء سے بالکل مختلف اور انوکھی قسم کی ہے"[40]۔

استوى على العرش ... استواءٍ يليق بكماله تعالى[41]

استواء علی العرش کے متعلق امام مالکؒ سے پوچھے جانے والے سوال کے متعلق شیخ ابن عثیمین نے فرمایا:

"والسُّؤالُ عنه بِدْعَةٌ": "السؤال عنه" يعني عن الكيفيَّة بدعة، فما كان الصَّحابة رَضِيَ اللهُ عَنْهُم يسألون عن هذا، ولا يُمكِنُ الوصولُ إليه، فإذن السُّؤالُ عنه تكلُّفٌ من حيث لا يُمْكِنُ الوصولُ إليه، وبدعَةٌ من حيث لم يَسْأَلْ عنه الصَّحابَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُم.وقوله: "والإيمانُ به واجبٌ": "الإيمان به" بالإستواءِ على العَرْش، "واجِبٌ" لأنَّ الله أخبر به عن نَفْسِه، وما أخْبَرَ الله به عن نَفْسِه وَجَبَ علينا قَبُولُه، وألَّا نقيسَ ذلك بعقولنا.فإذن - الحمد لله - الإستواءُ واضِحٌ، فالإسْتِواءُ معناه: العُلُوُّ والإسْتِقْرار وهو معلومُ المعنى، لكنَّ الكيفيَّةَ مجهولةٌ غَيْر مَعْقولة، يعني لا يُدْرِكُها العَقْلُ، ولا يستدلُّ عليها، والسَّمْعُ لم يَدُلَّ عليها؛ فوجب الوقوفُ؛ ولهذا قال الإمامُ مالك رَحِمَهُ اللهُ: "الكيفُ مجهولٌ، والإيمانُ به واجبٌ، والسُّؤالُ عنه بِدْعةٌ"[42].

"اور اس کے بارے میں پوچھنا بدعت ہے۔ اس کے بارے میں پوچھنا" سے مراد بدعت کا طریقہ ہے، اس لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کے بارے میں سوال نہ کریں گے اور اس تک پہنچنا ممکن نہیں ہو گا۔ اور اس کا یہ قول: "اس پر ایمان لانا واجب ہے": عرش پر چڑھ کر اس پر ایمان لانا "واجب" ہے کیونکہ خدا نے اپنے بارے میں بتایا ہے اور جو کچھ خدا نے اپنے بارے میں بتایا ہے اس کو ماننا ہم پر واجب ہے، نہ کہ اس کی پیمائش کرنا۔ ہمارے دماغوں کے ساتھ۔ استیواواضح ہے، جیسا کہ استویٰ کا مطلب ہے: بلندی اور استحکام، اور معنی معلوم ہے، لیکن اسلوب نامعلوم اور ناقابل فہم ہے، یعنی نہ ذہن اس کا ادراک کرتا ہے، نہ اس کا اندازہ لگاتا ہے، اور نہ سماعت اس پر دلالت کرتی ہے۔ کھڑا ہونا ضروری ہے؛ اسی لیے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "مقدم معلوم نہیں ہے، اس پر ایمان لانا واجب ہے، اور اس کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے۔"

سلف صالحین اور ائمہ دین نے استواء علی العرش کا مفہوم یہ بیان ہے کہ وہ عرش پر بلند ہوا۔ جیسا کہ ابن جریرؒ فرماتے ہیں:

---

[38] ۔ دریاآبادی، مولانا، عبدالماجد، تفسیرماجدی، مجلس نشریات قرآن کراچی، ج 2، ص 169

[39] ۔ الشافعي، محمد الأمين بن عبد الله الأرمي ،تفسير حدائق الروح والريحان في روابي علوم القرآن، الناشر: دار طوق النجاة، بيروت لبنان، الطبعة: الأولى، 1421 هـ 2001 ، ج 9، ص 346

[40] ۔ دریاآبادی، مولانا، عبدالماجد، تفسیرماجدی، ج 3، ص 222

[41] ۔ حسنين محمد مخلوف (المتوفى: 1410 هـ)، كلمات القرآن تفسير وبيان، المصدر: الشاملة الذهبية، ص 100

[42] ۔ العثيمين، محمد بن صالح، تفسير القرآن الكريم ،سورة السجدة: الناشر: مؤسسة الشيخ محمد بن صالح الخيرية، السعودية، الطبعة: الأولى، 1436 هـ

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

الرَّحْمَنُ عَلَى عَرْشِهِ ارْتَفَعَ وَعَلَا[43]

اوراللہ تعالیٰ عرش پر بلند ہوا۔ قرآن مجید میں جہاں عرش کا لفظ آیا ہے، وہ دو قسم کی آیات ہیں۔

1. وہ جن میں صرف عرش کا ذکر ہے۔
2. وہ آیات جن میں اسواء علی العرش کا ذکر ہے۔

باجوداس کے کہ انسان اللہ تعالیٰ کو کائنات کا خالق مانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو ایک جسم عظیم موجود فی الخارج فوق السموات مانتے ہیں۔ نہ خدا اس تخت پر بیٹھا ہے، نہ آئندہ بیٹھے گا۔ تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ :

فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا يُمْكِنُ أَنْ يَكُونَ الْمُرَادُ مِنْهُ كَوْنَهُ مُسْتَقِرًّا عَلَى الْعَرْشِ[44]

کیونکہ اگر خدا عرش پر بیٹھا ہو تو وہ متناہی ہو جائے گا، جب متناہی ہو گا تو حادث ہو گا اور حیز معین اور جہت خاص میں محدود ہو گا۔ حیز اور مکان کی اس کو احتیاج ہو گا۔ پھر وہ مقدار میں عرش سے بڑا ہو گا یا عرش اس سے بڑا ہو گا یا دونوں برابر ہوں گے۔ ہر طرح سے خدا پر مشکل لازم آتی ہے۔ بڑی مشکل یہ ہے کہ زمین یا دنیا تو کروی ہے۔ جب خدا ایک تخت پر بیٹھا تو ایک طرف دنیا کے لوگوں سے اوپر ہو گا، اور دوسری طرف دنیا کے لوگوں سے نیچے۔ سب سے اوپر ہونا اس کا محقق نہ رہے گا۔ خدا کے تخت پر بیٹھنے کے امتناع میں اس قسم کے دلائل تفسیر قرآن پر موجود ہیں لیکن کلام عرب میں جو عرش کا لفظ استعمال ہوا ہے، وہ بادشاہ کے تخت کے لیے ہوا ہے۔ اس وجہ سے عام طور پر استواء علی العرش مراد لے کر بعض مفسرین نے اس کی تشریح و تعبیر تخت کیا ہے۔

پہلا مرحلہ خلق کائنات کا تھا۔ اس کے بعد اس نے حکومت اور تدبیر کے کام جاری کرنے شروع کیے۔ عرش کے لفظی معنیٰ تخت کے ہیں اور مراد حکومت الٰہی ہے، جو ہر قسم کے مادی تعینات سے ماوریٰ ہے۔ محققین نے کہا ہے کہ عرش کی ماہیت اور حقیقت کا علم انسان کو نہیں۔ یہ معنیٰ اس کے ہر حال میں نہیں ہو سکتے جیسا کہ عوام نے سمجھ رکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی تخت پر متمکن ہو[45]۔

استواء کے متعلق امام ابوالحسن اشعری کا موقف

ابوالحسن اشعری کا موقف اس حوالے سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب آسمان وزمین کو پیدا کیا بعد ازاں عرش میں کوئی فعل اور تصرف فرمایا۔ جس کا نام استواء رکھا ہے۔ اس کا قرینہ یہ ہے کہ "خلق السموات والارض" کے بعد "ثم استویٰ علی العرش" کو ماضی کے صیغہ اور "ثم" کے ساتھ ذکر کیا۔ جو کلام عرب میں تراخی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ پس استویٰ کو فعل ماضی لانے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی فعل خداوندی تھا۔ ظاہر ہے کہ تراخی افعال ہی میں ہوتی ہے۔ صفات میں تراخی ممکن نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ایک فعل دوسرے سے متراخی ہو سکتا ہے، مگر یہ ناممکن ہے کہ ایک صفت دوسرے کے متراخی ہو۔ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات ازلی ہیں۔[46]

مذکورہ بالا ساری بحث کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تخلیق کے بعد کوئی تصرف فرمایا ہے، جس کا نام استویٰ رکھا ہے۔ اسی طرح ہر رات اللہ تعالیٰ آسمان دنیا میں کوئی فعل صادر فرماتے ہیں، جس کا نام نزول رکھا ہے، جس کا ذکر مذکورہ بالا روایت میں موجود ہے۔ یہ نزول جسمانی اور حسی نہیں، جس طرح ایک جسم نیچے اترتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہے۔

---

[43] ۔ الطبري ،محمد بن جرير (المتوفى: 310هـ)تفسير طبرى ،الناشر : دار هجر للطباعة والنشر والتوزيع والإعلان، الطبعة: الأولى، 1422 هـ 2001م ، ج16،ص 11

[44] ۔ الرازى، أبو عبد الله محمد بن عمر (المتوفى: 606هـ) مفاتيح الغيب ، الناشر : دار إحياء التراث العربي – بيروت،الطبعة: الثالثة 1420 ه، ج 14،ص285

[45] ۔ دریاآبادی، عبدالماجد، مولانا، تفسیر ماجدی، ج 2، ص 170

[46] ۔ کاندھلوی ، مولانا محمد ادریس، معارف القرآن، ج 3، ص135

استواء علی العرش کے متعلق شیخ محمد حسین نجفی کا موقف

شیخ محمد حسین نجفی نے استواء علی العرش یہ روایتی طریقے کے مطابق نہایت اختصار کے ساتھ کلام کیا ہے اور عام مفسرین کی طرح رطب اور یابس جمع کر کے ہر فریق کے دلائل ذکر کرنے اور پھر ان پر رد کرنے کی سعی نہیں کی۔ انھوں نے نہایت اختصار کے ساتھ واضح کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ عام اجسام سے جدا ہے کہ اسے جسم کی طرح کرسی پر بیٹھا ثابت کیا جائے۔ لکھتے ہیں:

"عرش کے لغوی معنی سریر الملک کے ہیں یعنی کسی بھی بادشاہ کا پایہ تخت، جس سے کچھ ظاہر بینوں کو اشتباہ ہوا۔ وہ خدا کو دنیاوی بادشاہ کی طرح ایک مجسم شہنشاہ اعظم کا تصور کر کے عرش پر بیٹھا دیا۔ مگر جب علم کلام کے دلائل قاطعہ اور براہین ساطعہ سے خدا کا جسم و جسمانیات اور مکان و مکانیات سے مبراء ہونا ثابت ہوا تو اس قسم کے غلط عقائد رکھنے کی کوئی گنجائش شریعت میں نہیں ہے۔ استواء علی العرش کے ساتھ "یدبر الامر" کے الفاظ میں استعمال ہوئے ہیں۔ جس کا معنی ہے کہ وہی معاملات کی تدبیر کرتا ہے۔ بناء بریں استوائ علی العرش کا مفہوم ہو گا کہ اقتدار اعلیٰ پر قابض ہو گیا۔ یعنی اس کی بادشاہت کائنات ہستی میں نافذ ہو گئی"۔[47]

شیخ محسن علی نجفی کا استواء علی العرش کے متعلق نقطہ نظر

"پھر عرش پر متمکن ہوا۔ اللہ تعالیٰ جب کسی چیز کو خلق فرماتا ہے تو اس کی تخلیق میں دو عنصر نہایت اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ اول یہ کہ اس کی تخلیق ایجاد ہوتی ہے۔ یعنی عدم سے وجود میں لایا جاتا ہے۔ دوم یہ ہے کہ تخلیق کے بعد مخلوق اپنی بقاء میں بھی اللہ تعالیٰ کی محتاج ہوتی ہے۔ جبکہ انسانی تخلیق میں یہ دونوں باتیں نہیں ہوتی۔ نہ عدم سے وجود میں لایا جاتا ہے۔ بلکہ ایک شکل سے دوسری شکل میں لایا جاتا ہے اور نہ تخلیق کے بعد اس کی محتاج ہوتی ہے۔ ایک مکان یا مشینری کے بنانے کے بعد وہ بقاء میں بنانے والے کی محتاج نہیں ہوتی۔ کائنات کی تخلیق اور وجود دینے کے بعد اس نظام کی بقاء، اس کے ہر ذرے کا باقی رہنا خالق کا محتاج ہے۔ یہ کائنات ایک لمحہ کے لیے بھی خالق سے بے نیاز نہیں ہو سکتی۔ اس آیت میں دو باتوں کا ذکر ہے۔ عالم خلق اور عالم امر۔ اس نے آسمان و زمین کو چھ دن میں بنایا اور عالم امر کے بارے میں فرمایا۔ پھر وہ عرش پر متمکن ہوا۔ یعنی تخلیق کے بعد بھی سب اس کے محتاج ہیں۔ کائنات اس کے زیر نگین ہے۔ اور تخلیق میں جس طرح اس کی کن فکانی چلتی تھی، اسی کی بقاء اور تدبیر میں حکمرانی چلتی ہے[48]۔

فاضل مصنف نے اس آیت کے بعد اہم نکات کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ مصنف لکھتے ہیں:

"کائنات کی چھ دنوں میں تخلیق سے یہ عندیہ ملتا ہے کہ ارتقاء کا عمل تدریجی ہوتا ہے۔ یکبارگی نہیں ہوتا۔ نظام کائنات کے جملہ اختیارات کا ارتکاز اس جبروتی اور ملکوتی قوت و سلطنت سے ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے عرش سے تعبیر کیا ہے۔ تخلیق اور تسخیر اور تدبیر سب کا تعلق ایک مرکز سے ہے، جو تصور خدا پر قائم ہے[49]۔

خلاصہ بحث

1. استواء علی العرش کا جملہ قرآن مجید میں سات جگہ آیا ہے۔ اس کے متعلق اہل سنت اور اہل تشیع متکلمین مفسرین (مولانا ادریس کاندھلوی اور مولانا عبدالماجد دریا آبادی، شیخ محمد حسین نجفی، شیخ محسن علی نجفی) کا نقطہ نظریہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کو اسی طرح تسلیم کیا جائے، جس طرح بیان ہوئی ہیں۔ نہ ان کی کیفیت بیان کی جائے۔ نہ ان میں تاویل کی جائے اور نہ انھیں مخلوق کے

---

[47] ۔ نجفی، شیخ محمد حسین، آیت اللہ، فیضان الرحمن فی تفسیر القرآن، ج 3، ص 324

[48] ۔ نجفی، شیخ محسن علی، الکوثر فی تفسیر القرآن، ج 3، ص 226

[49] ۔ نجفی، شیخ محسن علی، الکوثر فی تفسیر القرآن، ج 3، ص 226

ساتھ تشبیہ دی جائے۔ تشبیہ دینے والے لوگوں کے ذہن میں جو متبادر بات آتی ہے، اللہ تعالیٰ اس سے بری ہے۔ کیونکہ مخلوق میں کوئی چیز اس کی مثل نہیں۔

2. مذکورہ بالا چاروں مفسرین کے مطابق استواء علی العرش سے مراد بیٹھنا اور متمکن ہونا نہیں، بلکہ کائنات عالم میں تصرف کرنا مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ زمین وآسمان، عرش وکرسی کے پیدا کرنے سے پہلے جس شان اور صفت پر تھا، اب بھی اسی پر ہے۔ معاذ اللہ عرش عظیم اللہ تعالیٰ کا حامل نہیں کہ وہ اسے اٹھائے بلکہ اللہ کی قدرت عرش کو اٹھائے ہوئے ہے۔ جو صفت اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ ﷺ نے خود بیان فرمائی ہے، اس میں کوئی تشبیہ نہیں۔ لہٰذا جو شخص آیات واحادیث صحیحہ میں بیان کی گئی صفات کو اسی طرح ثابت کرتا ہے، جیسے اللہ کی شان کے لائق ہے اور تمام نقائص کی نفی کرتا ہے، وہ ہدایت کے راستے پر گامزن ہے۔

3. آیات، احادیث اور آثار جن سے تشبیہ، تمثیل و تجسیم کا شبہ ہوتا ہو، سلف اور خلف کے نزدیک ظاہری اور حسی معنٰی مراد نہیں۔ کلام کو ظاہر سے ہٹانا، پھیرنا تاویل کہلاتا ہے۔ تمام آیات اور احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ جسم، جہت سے پاک ہے۔ تمام نصوص صریح اور قطعی ہیں۔ محکمات ہیں اور شریعت کے وہ مسلمات ہیں جن میں تاویل کی بالکل گنجائش نہیں۔ جن آیات متشابھات سے جہت اور مکان کا شبہ ہوتا ہے، وہ ظنی الدلالت ہیں۔ لہٰذا ان میں تاویل کی جائے گی۔ تاکہ قطعیات اور مسلمات میں کوئی اختلاف نہ رہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ محکمات اور متشابھات میں جب تعارض نظر آئے تو محکمات کی اتباع واجب ہے اور متشابھات پر صرف ایمان لانا واجب ہے۔ جب کہ ان کی اتباع زیغ ہے۔

4. متقدمین کے نزدیک یہ اللہ تعالیٰ کی متشابہ صفات ہیں جن کے معنی تحت اللفظ کیے جاسکتے ہیں، البتہ کسی بھی مسلمان کے لیے ان کی تشریح اور وضاحت معروف فی الخلق نہیں کی جاسکتی، اگر ان صفات کو معروف معانی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت کریں تو اس سے اللہ تعالیٰ کے لیے جسم کا اثبات لازم آتا ہے اور کیفیت کی جہالت سے ہم تجسیم سے نہیں نکل سکتے۔ متاخرین نے اہل بدعت کے رجحانات کے فروغ کی روک تھام کے لیے تاویل کا مسلک اختیار کیا اور تمام متشابہات کی مناسب تاویلات کیں اور ان تلاویلات کا شرعی جواز کتاب وسنت میں موجود ہے۔ متاخرین سلف صالحین سے "اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ" میں اسْتَوَى سے قبضہ و غلبہ مراد لیا ہے اور "العرش" تخت کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ تو اس سے مراد اللہ تبارک وتعالیٰ کے کائنات پر مکمل قبضہ وقدرت اور اس کے حاکمانہ تصرف کے ہیں۔ کائنات کی کوئی چیز، کوئی مخلوق اور کوئی گوشہ اس کے قبضہ قدرت اور تصرف سے باہر نہیں۔

5. قرآن میں متشابہات کا ایک مقصد یہ ہے کہ لوگوں کی فکر و نظر کو زیادہ سے زیادہ لایا جائے اور فکری تحرک پیدا ہو۔ ہمیشہ پیچیدہ فکری مسائل مفکرین کے افکار کی تقویت کے لئے پیش کیے جاتے ہیں تاکہ وہ مسائل کے حل کے لئے زیادہ سے زیادہ تفکر و تدبر اور تحقیق و جستجو سے کام لے سکیں۔

کتابیات

*۔ تفتازانی، سعدالدین، العقائد النسفية، (ناشر: دارالکتب العلمیہ بیروت، طبع 2017ء)

*۔ البانی، أبو عبد الرحمن محمد ناصر الدين (المتوفى: 1420هـ) مختصر صحيح بخاری، الناشر: مكتَبة المَعارف للنَّشْر والتوزيع، الرياض، 2002م، ج 4، ص 338

*۔ الحراني، تقي الدين، أحمد بن عبد الحليم بن تيمية، (المتوفى: 728هـ) مجموع الفتاوی، الناشر: مجمع الملك فهد مدينه، طبع 1416ه، ج 2، ص 188

*۔ علي بن نايف الشحود، موسوعة السنة النبوية، المصدر: الشاملة الذ هبية، رقم الحديث 5563

* ۔ الطبراني، سليمان بن أحمد (ت ۰هـ) المعجم الكبير، ، دار النشر: مكتبة ابن تيمية – القاهرة، طبع 1415هـ، ج 5، ص 49

*۔ جیلانی، شیخ عبدالقادر، غنية الطالبين، مترجم: محمد صدیق ہزاروی، ناشر: حامد اینڈ کمپنی لاہور، طبع 1988، ج 1، ص 54

*۔ الرازي، أبو عبد الله محمد بن عمر (المتوفى: 606هـ) مفاتيح الغيب، الناشر: دار إحياء التراث العربي – بيروت، طبع 1420 هـ

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

*۔ الدهلوی، أحمد بن عبد الرحیم (المتوفی: 1176ھ) حجة الله البالغه ، الناشر: دار الجیل، بیروت ، طبع1426ھ 2005م ۔

*۔ دریاآبادی ، مولانا، عبدالماجد، تفسیر ماجدی، مجلس نشریات قرآن کراچی ۔

*۔ الشافعي ، محمد الأمین بن عبد الله الأرمي ،تفسیر حدائق الروح والریحان في روابي علوم القرآن، الناشر: دار طوق النجاة، بیروت لبنان، الطبعة: الأولی، 1421ھ

*۔ حسنین محمد مخلوف (المتوفی: 1410ھ)، کلمات القرآن تفسیر وبیان ، المصدر: الشاملة الذهبیة۔

*۔ العثیمین، محمد بن صالح ، تفسیر القرآن الکریم ،سورة السجدة : الناشر: مؤسسة الشیخ محمد بن صالح الخیریة، السعودیة، الطبعة: الأولی، 1436ھ

*۔ الطبري ،محمد بن جریر (المتوفی: 310ھ)تفسیر طبری ،الناشر: دار هجر للطباعة والنشر والتوزیع والإعلان، الطبعة: الأولی، 1422ھ 2001م ، ج16، ص11

*۔ الرازی، أبو عبد الله محمد بن عمر (المتوفی: 606ھ) مفاتیح الغیب ، الناشر: دار إحیاء التراث العربي – بیروت، الطبعة: الثالثة 1420ھ، ج14، ص285